فکر و نظر--- اسلام آباد جلد: ۴۲ شمارہ: ۳

# ابن الہیثم کی کتاب حلّ شکوک اقلیدس کا اہم و نادر نسخہ
## (یکے از کتب خانہ خواجہ محمد پارسا)

☆ ڈاکٹر احمد خان

ابن الہیثم، أبو علی الحسن بن الحسن (۳۸۴ھ-۴۳۲ھ) ایک کثیر التألیف عالم تھا جس نے بیک وقت کئی علوم خاص طور پر ریاضیات، طبیعات اور الہیات میں قلم اٹھایا ہے۔ ان کی علمی زندگی بے حد بھرپور عملی، علمی اور تجرباتی علوم سے عبارت ہے۔ علم المناظر (Optics) میں ان کی ''کتاب المناظر'' اس میدان میں ایک بنیادی حیثیت کی مالک ہے(۱)۔

ابن الہیثم کی زندگی کا آغاز اپنے ماحول کے علماء سے مختلف نہ تھا۔ حصولِ علم کے دوران بغرض تفہیم علوم الاوائل میں کتب کی تلخیص، مغلق مقامات کی تشریح یا ان کتابوں کی مکمل شروح عام تھیں۔ چنانچہ ابن الہیثم نے بھی ارسطو، اقلیدس، جالینوس اور دیگر یونانی علماء کی مختلف کتابوں پر شرحیں اور تنقیدیں لکھیں اور ان میں اضافہ کیا۔ ''کتاب فی حلّ شکوک کتاب اقلیدس فی الأصول و شرح معانیہ'' ان میں سے ایک ہے۔ اس کے علاوہ ابن الہیثم نے اقلیدس پر ایک اور کتاب بھی لکھی ہے جو ''کتاب فی مصادرات کتاب اقلیدس' کے عنوان سے معروف ہے۔ اگرچہ اس میدان میں ابن الہیثم کے اور رسائل بھی ہیں(۲) مگر ہم ذیل میں صرف حلّ شکوک اقلیدس کے بارے میں مختصرا عرض کریں گے۔

جارج سارٹن نے ابن الہیثم کی شروح کے بارے میں کہا ہے کہ ''اس امر کا امکان موجود ہے کہ اصول اقلیدس کی شرحیں جو ابن الہیثم نے اور الفارابی نے کی تھیں، ان کے عبرانی تراجم موسیٰ بن تبّون (Moses bin Tibbon) نے کیے تھے''(۳)۔

ابن الہیثم کی یہ کتاب شروع ہی سے علماء کے زیر نظر رہی ہے۔ قرون وسطیٰ میں اس کے عبرانی تراجم سے یورپ میں استفادہ کیا گیا۔ اس میں مصنف نے اقلیدس کے اصولوں پر تنقید کرتے ہوئے مختلف ممکنہ أشکال کی طرف اشارہ کیا ہے، بلکہ وہ أشکال لوگوں کو بتائی بھی ہیں۔

کتاب حلّ شکوک اقلیدس، ریاضیات میں ابن الہیثم کی ضخیم کتب میں سے ہے، جو اس نے

جن کی تعداد ۲۵ کے لگ بھگ ہے[۴]۔ جب ابن الہیثم بصرہ میں مقیم تھے تب ان کا میلان طبع علوم فلسفہ کی طرف شدت سے مبذول تھا۔ یہ علوم ابن الہیثم کی نظر میں ریاضیات، طبیعات اور الہیات پر مشتمل تھے[۵]۔ وہ ہر سال تین کتابیں ضرور نقل کرتے، جو رمقِ حیات کے قیام کے لیے کافی ہوتی تھیں، ان کے بارے میں بتایا گیا ہے:

**کان ینسخ فی مدة سنة ثلاثة کتب فی ضمن اشتغاله، وهی: اقلیدس والمتوسطات والمجسطی، و یستکملها فی مدة السنة، فاذا فرغ من نسخها جاء ه من یعطیه فیها مائة و خمسین دینارا مصریة، فیجعلها مؤنة لسنته[۶].**

جرمنی کا ایک ادارہ **معهد تاریخ العلوم العربیة و الإسلامیة** (Institute for the History of Arabic Science, Goethe University, Frankfort, Germany) ایک عرصہ سے نادرالوجود، اہم اور سائنسی علوم میں مقتدر کتب بصورت تصویر چھاپ رہا ہے۔ تراث عربی کے زندہ کرنے میں اس ادارہ کی خدمات ازحد قابل ستائش ہیں۔ اس ادارے نے کتاب حلّ شکوک اقلیدس کی اہمیت کے پیش نظر اور ناپید ہو جانے کے خدشے کے تحت اس کی تصویر ۱۹۸۵ء میں چھاپ دی ہے۔

اس کتاب کو چھاپتے وقت اس کے ایڈیٹر حضرات ماتیاس شرام (Matthias Schramm) اور ڈاکٹر فواد سزگین نے اپنے مختصر مقدمے میں اس کتاب کے درج ذیل نسخوں کا ذکر کیا ہے[۷]، جن کا ایڈیٹر حضرات کو علم ہوا ہے یا قابل ذکر خیال کیے گئے ہیں، جبکہ ان میں سے دو نسخوں سے استفادہ کیا گیا ہے:

(ا) کتب خانہ خراجی اَوغلی، بروسہ (ترکی)۔ نمبر ۱۱۷۲ پر یہ نسخہ موجود ہے جو ورق ۸۳ سے ۲۲۶ تک ہے۔ یعنی ابتداء سے ناقص ہے۔ یہ نسخہ سن ۴۷۷ھ کا لکھا ہوا بتایا گیا ہے۔

(ب) کتب خانہ جامعہ استنبول میں نمبر ۸۰۰ پر ایک نسخہ موجود ہے جو ۷۷ اوراق پر مشتمل ہے۔ ایڈیٹر حضرات کے قیاس کے مطابق یہ نسخہ چھٹی صدی ہجری کی تحریر دکھائی دیتا ہے۔ اس نسخے میں اقلیدس کے مقالہ نمبر۳، ۴ اور مقالہ نمبر۵ کی ابتدائی دو سطروں کا مواد غیر موجود ہے۔

(ج) کتب خانہ ملّی، تہران میں نمبر ۳۴۳۳ پر موجود نسخہ تقریباً ۲۰۰ اوراق پر مشتمل ہے، جو بقول ایڈیٹر حضرات ۴۷۷ھ کی تحریر ہے اور مکمل نسخہ ہے۔

(د) کتب خانہ جامعہ لائیڈن میں نمبر Or-516 پر موجود نسخے کے بارے میں ایڈیٹر حضرات نے

مذکورہ بالا ادارہ تصویر کی صورت میں تراث اسلامی کی کتب چھاپ کر بلاشبہ ایک عظیم خدمت سرانجام دے رہا ہے، مگر اس ضمن میں اگر یہ سعی بھی کر لی جائے کہ جس کتاب کو بصورت تصویر محفوظ کرنا مقصود ہو، اس کتاب کے دنیا بھر میں موجود نسخوں کے بارے میں پہلے پورا علم حاصل کیا جائے اور ان میں سے صحت، خط اور استفادے کے اعتبار سے بہترین نسخے کی تصویر چھاپی جائے، تو تب اس خدمت کا صحیح حق ادا ہوگا۔

زیر نظر کتاب کے بارے میں ممکن ہے اس معیار کو سامنے رکھا گیا ہو مگر بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ضمن میں پوری ہمت صرف نہیں کی گئی۔ جیسا کہ اُوپر ذکر کیا گیا۔ ایڈیٹر حضرات نے یہ کتاب کسی ایک نسخے کی بنیاد پر شائع نہیں کی۔ ممکن ہے کسی جگہ کوئی مکمل نسخہ نہ ملا ہو حالانکہ بقول انہی کے تہران والا نسخہ جو قدیم بھی ہے اور مکمل بھی اس سے استفادہ نہیں کی گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخے کے حصول میں دشواری رہی ہوگی تاہم اس سے استفادے کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ اسی طرح فواد سزگین کی اپنی کتاب ''تاریخ التراث العربی'' کی جلد۵ صفحہ ۳۷۰ پر مذکور اس کتاب کے دیگر نسخوں کے مکمل ہونے پر شک کرتے ہوئے ان سے صرف نظر کی گئی ہے[۸]۔ لندن والے نسخے کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتایا گیا جبکہ قازان اور پشاور میں موجود نسخوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ **لا نعرف شیئا عن مدی کمالھما**.

قازان اور لندن والے نسخوں کے بارے میں تو ہمیں بھی کچھ معلوم نہیں ہوسکا البتہ پشاور والا نسخہ، جس کا ذکر بروکلمان نے اپنی معروف کتاب میں کیا ہے[۹]، بھی ناقص ہے۔ اسے حافظ غلام جیلانی نے، جو مخطوطات کا ایک عمدہ ذخیرہ رکھتے تھے، اپنے ہاتھ سے محرم ۱۲۸۲ھ میں نقل کیا ہے۔ زبان کی کمزوری کے علاوہ اس میں ہندسی اشکال بھی نہیں بنائی گئی ہیں، جو ظاہر ہے ایک فنی کام تھا جس سے نابلد ہونے کی وجہ سے حافظ غلام جیلانی نہ کر پائے، اور یہی کتاب کی اصل جان تھی۔ ۱۱۱-اوراق پر مشتمل یہ نسخہ غالباً اسی شہر میں موجود ایک عمدہ نسخے سے (جس کا ذکر آگے آئے گا) نقل کیا گیا ہے۔

غلام جیلانی والا ناقص نسخہ اسلامیہ کالج، پشاور کے کتب خانے میں مخطوطات نمبر ۱۷۱۸ پر موجود ہے[۱۰]۔

زیر نظر مصدر کتاب میں ایڈیٹر حضرات نے دو نسخوں کو یوں بالا دیا ہے کہ استنبول والا نسخہ پہلے

پر چھاپی گئی ہے۔ دراں حالیکہ ان کے علم میں آئے ہوئے نسخوں میں قدامت کے اعتبار سے بروسہ اور تہران والے نسخے زیادہ لائق توجہ تھے۔

اس جوڑ کی نشاندہی مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۱۹۷ کے آخر میں ترچھا نوٹ: ''**ضاع من هذا المحلّ نبذ من أواخر المقالة الثالثة والمقالة الرابعة بتمامها، و شيء من أوائل المقالة الخامسة، وفقنا الله تعالى بفضله لاتمامها**''، واضح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ یہاں تک کا حصہ استنبول کے نسخے سے لیا گیا ہے اور مابعد کا حصہ لائیڈن والے نسخے سے پورا کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ صفحہ ۱۹۸ پر اُوپر سے، عبارت میں تکرار ہونے کی وجہ سے، تھوڑا سا حصہ صاف کر دیا گیا ہے۔

اس مشترک نسخے کا خط قدیم ہی ہے اور بناوٹ میں بظاہر چنداں فرق نہیں ہے، مگر امعان نظر سے دیکھنے پر خط کے موٹے اور پتلے ہونے کے علاوہ کتابت کا فرق بھی نظر آئے گا۔ دونوں حصے مقابلہ شدہ معلوم ہوتے ہیں۔ البتہ مقالہ ثالثہ میں کتاب اقلیدس کی ہندسی اشکال (**السادس عشر تا العشرون**، مطبوعہ/مصور نسخے کے صفحات ۲۰۳ تا ۲۰۸) کے عنوان تحریر کرنے سے رہ گئے ہیں۔

## ۲

اس کتاب کا ایک عمدہ نسخہ پشاور ہی میں ڈیپارٹمنٹ آف آرکائیو اینڈ لائبریریز میں مخطوطات کے حصہ میں نمبر ۲٦٧ پر موجود ہے، جس کا تعارف کرانا ہی اس تحریر کا باعث بنا ہے[۱۱]۔ یہ نسخہ ۱۲۹ اوراق پر مشتمل ہے جس کا سائز ۲٦ × ۱۷ سم ہے اور ہر صفحے پر ۲۷ سطریں ہیں۔ عنوان یوں ہے: **كتاب الشكوك على اقليدس و حلّها، لابن الهيثم**، اور اندر کے صفحہ پر ایسے تحریر ہے: **المقالة الأولى من كتاب الحسن بن الحسن بن الهيثم فى حلّ شكوك كتاب اوقليدس فى الأصول و شرح معانيه.** اس کے بعد نسخہ بغیر کسی تمہید کے یوں شروع ہوتا ہے:

> **كل معنى تغمض حقيقته و تخفى بالبديهة خواصه، و يُشابه فى بعض أحواله غيره، فالشك متسلط عليه و للمعاند والمتشكك طريق مهيَعٌ إلى معاندته والطعن عليه، و خاصة العلوم العقلية والمعانى البرهانية.**

اس نسخے کا آخر اس طرح ہے :

> **وهذا آخر المقالة الثالثة عشر، وهى آخر الكتاب، و هذه المقالة فى أكثر النسخ أحد و عشرون شكلا، وذلك أن الأربعة الأشكال الأولى [illegible] فى أكثر [illegible]**

**تم كتاب الحسن بن الحسن بن الهيثم فى حلّ شكوك كتاب أوقليدس فى الأصول و شرح معانيه. و كتبه صاعد بن يحيى بن جرير التكريتي، تلميذ الشيخ الفيلسوف أبى سعيد صاعد بن ... ...[۱۲].**

اس کتاب میں ابن الہیثم نے اقلیدس کے تیرہ مقالات کو تین حصوں میں یعنی اپنے تین مقالات پر تقسیم کیا ہے۔ اپنے پہلے مقالے میں اقلیدس کے صرف پہلے مقالے پر تنقید کی ہے اور اس کی مختلف اشکال بیان کی ہیں۔ اسی طرح اپنے مقالہ ثانیہ میں اقلیدس کے پانچ مقالات (المقالة الثانية تا المقالة السادسة) سے بحث کی ہے۔ اپنے تیسرے مقالے میں ابن الہیثم نے اقلیدس کے سات مقالات (المقالة السابعة تا المقالة الثالثة عشر) سے متعلق بحث کی ہے اور ان کی مختلف ممکنہ اشکال بیان کی ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

| مقالات ابن الهيثم | مقالات اقليدس | أشكال | صفحات |
|---|---|---|---|
| المقالة الأولى | المقالة الأولى | الثامن والأربعون | ۱ ظ – ۵۵ ظ |
| المقالة الثانية | المقالة الثانية | الرابع عشر | ۵۶ و – ۶۲ ظ |
| | المقالة الثالثة | السادس والثلاثون | ۶۲ ظ – ۷۴ و |
| | المقالة الرابعة | السادس عشر | ۷۴ و – ۸۰ و |
| | المقالة الخامسة | الحادى والعشرون | ۸۰ ظ – ۸۷ و |
| | المقالة السادسة | الثالث والثلاثون | ۸۷ ظ – ۹۵ و |
| المقالة الثالثة | المقالة السابعة | الثالث والعشرون | ۹۵ ظ – ۱۰۱ و |
| | المقالة الثامنة | الرابع عشر | ۱۰۱ ظ – ۱۰۴ و |
| | المقالة التاسعة | السادس عشر | ۱۰۴ و – ۱۰۷ ظ |
| | المقالة العاشرة | السادس والعشرون | ۱۰۷ ظ – ۱۱۵ ظ |
| | المقالة الحادى عشر | الثالث والعشرون | ۱۱۵ ظ – ۱۲۱ و |
| | المقالة الثانية عشر | الثالث عشر | ۱۲۱ و – ۱۲۶ ظ |
| | المقالة الثالثة عشر | الرابع عشر | ۱۲۶ ظ – ۱۲۹ و |

ان مقالات میں کل ۲۹۷ اَشکال بنائی گئی ہیں۔ سرخ روشنائی سے بنائی گئی یہ شکلیں کافی حد تک

یوں تو یہ نسخہ بہت عمدہ اور مکمل ہے مگر یہ بھی دو ہاتھوں کی تحریر نظر آتا ہے۔ ابن الہیثم کے پہلے دو مقالے (اظ - ۹۵و) ایک ہاتھ کی تحریر ہے جبکہ باقی حصہ یعنی مقالہ ثالثہ (۹۶و -۱۲۹و) دوسرے ہاتھ کی، جس کے آخر میں کاتب نے اپنا نام صاعد بن یحییٰ بن جریر التکریتی لکھا ہے۔ ۹۵ظ والا صفحہ ان دونوں حصوں کو ملانے والے کی تحریر ہے، جو کافی حد تک بھدی اور کچی تحریر نہیں ہے۔ خط کی پختگی کے اعتبار سے حصہ اول زیادہ مضبوط ہے۔ حروف کی یکسانیت ہے، کلمات غیر منقوط ہیں، الا یہ کہ جہاں اشتباہ کا خدشہ ہے، وہاں نقاط لگائے گئے ہیں۔

بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ پشاور والا زیرنظر نسخہ مصورہ/مطبوعہ نسخے میں مستعمل دونوں نسخوں سے قدیم ہے۔ اس میں جو تصحیحات یا مقابلہ میں رہ گئے کلمات پشاور والے نسخے میں حاشیہ میں لکھے گئے ہیں، وہ مصورہ نسخے کی عبارات کے اندر اپنی جگہ پر موجود ہیں، یا پھر کم از کم دونوں نسخوں کی اصل ایک ہی ہے۔

صاعد بن یحییٰ بن جریر التکریتی کے بارے میں مختلف مصادر سے تلاش کیا گیا تاکہ اس عالم کے عرصۂ حیات سے اس حصے کی کتابت کا عہد معلوم کیا جا سکے۔ مگر چنداں کامیابی نہ ہوئی۔ دوسرے مرحلے میں اس کے باپ یعنی یحییٰ بن جریر التکریتی کے بارے میں ان مصادر میں دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ صاحب بغداد میں ۴۷۲ھ تک موجود تھے۔ علاوہ بریں یہ بھی پتہ چلا ہے کہ یحییٰ بن جریر التکریتی بغداد کے معروف عالم، طبیب، ماہر فلکیات اور صاحب تصانیف شخصیت تھے[۱۳]۔ سن ۴۷۲ھ اس عالم کی عمر کا آخری دور شمار کیا جائے تو مناسب ہوگا کیونکہ جن علوم کا ماہر اور خصوصیات کا حامل شخص بتایا گیا ہے، یہ تقریباً عمر کے آخری پیٹے میں ہی ممکن ہے۔ اس لیے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یحییٰ بن جریر التکریتی ۴۰۰ھ سے ۴۸۰ھ تک زندہ رہے ہوں گے۔ اب اس کے بیٹے کی عمر اور عرصۂ حیات کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں رہا۔ جو باپ ۴۷۲ھ تک حیات تھا اس کا بیٹا اندازاً ۴۳۰ھ کے لگ بھگ یا اس سے تھوڑا قبل پیدا ہوا ہوگا، اس لیے اس کا عرصۂ حیات ۴۲۵ھ سے ۵۰۰ھ کے مابین تصور کیا جا سکتا ہے۔ یہ صاحب، زندگی میں مصروف بھی رہے ہوں گے۔ ایک عظیم فیلسوف کی شاگردی کا دم بھرنے والا خود بھی تو اچھا پڑھا لکھا رہا ہوگا۔ چنانچہ ہم باآسانی کہہ سکتے ہیں کہ یہ نسخہ / حصہ صاعد بن یحییٰ بن جریر التکریتی نے طالب علمی کے عہد ( تقریباً ۴۵۰ھ کے آگے پیچھے) میں نقل کیا ہوگا جو ابن الہیثم کی حیات کے آخری دنوں سے قریب تر ہے۔ اس نتیجہ کے بعد ہم یہ

ہیئت اور حروف کی بناوٹ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صاحب کافی عالم فاضل تھے۔ اگرچہ اس حصے میں کوئی ایسا نشان نہیں ہے جس سے نسخے کی قدامت کا اندازہ ہوسکے، مگر اس کا خط، اندازِ تحریر اور کاغذ کی بناوٹ اس امر کی غمازی کر رہے ہیں کہ یہ حصہ بھی کافی پرانا ہے اور قیاساً پانچویں صدی کے اواخر یا چھٹی صدی ہجری کے ابتدائی عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ تاہم اس حصے کی قدامت کے بارے میں حتمی فیصلہ بہت دشوار ہے، مگر ہم آگے چل کر اس حصے کی قدامت کی تعیین کے لیے مزید کوشش کریں گے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ حصہ کسی اچھے عالم اور فن میں مہارت رکھنے والے صاحب کی خط نسخ میں اچھی تحریر ہے۔ ان کی بنائی ہوئی ہندسی اشکال صاف اور درست ہیں۔ ان کی تحریر میں چند حروف مثلاً ک، ط، لا کا ایک خاص سٹائل ہے۔ یہ صاحب مقالات اور اشکال کے آخر میں اختتامی نشان کے طور پر حرف (ه) استعمال کرتے ہیں، جو ابتدائی ہجری صدیوں میں علماء کے ہاں مروج تھا۔ علاوہ بریں یہ حصہ کسی، دوسرے نسخے سے مقابلہ شدہ بھی ہے۔ تبھی تو حاشیہ پر کہیں کہیں تصحیحات کے کلمات موجود ہیں۔ اس حصے کے حامل / مالک کے قلم سے نسخے کے حاشیہ پر چند تعلیقات، حواشی اور تصحیحات بھی ہیں۔ ان کے علاوہ ایسے حواشی ایک دوسرے عالم کے ہاتھ سے بھی نظر آتے ہیں۔

صاعد بن یحییٰ بن جریر التکریتی کے ہاتھ سے جو حصہ موجود ہے اس میں اتنی پختگی نہیں ہے، خط بھی پوری طرح نسخ نہیں ہے۔ کچھ منقوط حروف اس حصہ میں غیر منقوط ہیں مگر اشتباہ والے حروف منقوط کر دیئے گئے ہیں۔ صاعد کے ہاتھ میں مضبوطی ہے اور نہ یکسانیت۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کی ابتدائے جوانی کی تحریر ہے یا پھر اغلباً اس نے دوران تعلیم یہ نسخہ نقل کیا ہے، جیسا کہ ایک استاد کے شاگرد ہونے کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ صاحب مقالات اور اشکال میں اختتامی نشان کے طور پر دائرہ کے اندر نقطہ زیادہ تر استعمال کرتے ہیں، کہیں کہیں تین نقطے (.·.) بھی، اسی طرح (ه) کا استعمال بھی کیا گیا ہے، جو شاذ و نادر ہے۔ اس حصے میں تعلیقات و حواشی نہیں ہیں۔ صرف ایک تعلیق ہے جو آخری مقالہ کی الشکل التاسع پر ہے، اور وہ حدیث العہد قلم سے ہے۔ اس حصے میں مستعمل کاغذ کی قدامت کا رجحان پیش نظر نہ ہوتا تو یہ شک کیا جا سکتا تھا کہ یہ حصہ کسی جعل ساز کے قلم کا شاہکار ہے، جس نے ابن الھیثم کے عہد کے قریب ایک عالم کے فرزند کو اس جعل سازی کا سہارا بنایا ہے۔ تاہم تھوڑا بہت یہ شبہ اب بھی موجود ہے۔

کر سکتی تھیں، مگر ہمارے اس نسخے کے بارے میں ان سے چنداں مدد نہیں ملی۔ پھر اس امر کا امکان بھی تو موجود ہے کہ پہلے حصے پر مالکان کے أسماء کا تعلق صرف پہلے حصے سے ہی ہو۔ بہرحال اس نسخے کے صفحۂ عنوان پر درج ذیل مالکان کے نام ہیں:

- صاعد بن ھبۃ اللہ بن المؤمل
- عبدالعزیز بن دلف
- عبدالوہاب بن محمد بن محمد بن أبی الکرم العامری الأصفہانی
- محمد بن محمد بن مسعود المالکی
- عبدلعزیز بن علی بن محمد انجم، سنۃ ۷۴۹ھ
- محمد حسین بن محمد قلندر سنۃ ۱۲۴۸ھ
- آخر میں مہر، جو سن ۱۲۵۵ھ رکھتی ہے اور خواجہ محمد پارسا کے کتب خانے کی ملکیت ظاہر کرتی ہے۔

چونکہ پہلے چار مالکان کے ساتھ کوئی سن نہیں ہے اس لئے ان کی ترتیب قائم کرنا مشکل ہے، نہ ہی ان کے بارے میں کسی قسم کی معلومات مل سکی ہیں، جو ہماری کوئی رہنمائی کا باعث ہوتیں۔ ان حضرات کی تحریر کے نشانات یا نکات کوئی تھوڑی بہت روشنی ڈال سکتے تھے، مگر وہ بہت کم ہونے کی بناء پر کوئی خاص رہنمائی نہیں کرتے۔

اس نسخے کے دوسرے حصے (ق۱۲۷و) میں غالباً محمد حسین بن محمد قلندر کے ہاتھ سے خط نستعلیق میں حاشیہ اس امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ۱۲۴۸ھ سے قبل یہ دونوں حصے آپس میں مل چکے تھے اور سن ۱۲۵۵ھ والی مہر کا سارے نسخے پر نشان بھی اس امر کی تائید کر رہا ہے، مگر کب؟ ان کے علاوہ دیگر مالکان سے کسی قسم کی رہنمائی کیا ملے گی؟ ہاں اس امر کا امکان تو موجود ہے کہ یہ دونوں حصے صرف مذکورہ بالا سن سے پہلے الگ الگ ہی تھے، اسی سال یا تھوڑا پہلے ملے ہوں۔ چنانچہ اس معاملہ میں کوئی وقت بتانے سے ہم قاصر ہیں۔

اس نسخے کے شروع میں مالکان کے أسماء کے ساتھ سنین (سوائے تین کے) کی غیرموجودگی جہاں اس نسخے کی قدامت کے بارے میں حیران کر رہی ہے وہاں یہ امکان بھی موجب پریشانی ہے کہ کیا یہ نسخہ مکمل ہونے کے بعد ان مالکوں کے پاس رہا ہے یا صرف اس کا یہ پہلا حصہ ان کے پاس تھا۔ پھر یہ امکان بھی ہے کہ یہ نسخہ مکمل صورت میں ایک ہی ہاتھ کی تحریر کے ساتھ ان حضرات

والے نسخے کی تکمیل کی غرض سے پہلا حصہ لکھوایا گیا ہو، مگر یہ صورت بھی ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ جوڑ لگانے والا شخص تیسرا ہے، جس کی تحریر سے یہ امر عیاں ہے۔

اسی طرح یہ صورت تو بالکل موجود تھی کہ دوسرا حصہ یعنی ابن الہیثم کا تیسرا مقالہ مع دیگر مقالات کے موجود تھا مگر پتہ نہیں کیسے یہ تیسرا مقالہ الگ ہوا، یا پہلے دو مقالے کیسے ضائع ہوگئے، اور جوڑنے والے نے اسے ان دوسرے دو مقالوں کے ساتھ جوڑ دیا۔ ان دو مقالوں کا وجود صاعد بن یحییٰ بن جریر التکریتی کے حصے سے پہلے بھی ممکن ہے، اس کا ہم عصر بھی، اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے بعد لکھا گیا ہو۔ مگر یہ امر یقینی ہے کہ تحریر کا انداز پانچویں صدی ہجری کا ہی ہے۔

جس شخص نے ان دونوں حصوں کو جوڑا ہے اسے پہلے حصے کے آخری ورق ۹۵ کا صفحہ ''ظ'' خالی ملا، اس لیے کہ مقالہ ثانیہ ۹۵و تک مکمل ہو گیا تھا، اسی طرح ابن الہیثم کے مقالہ ثالثہ کے پہلے ورق کے صفحہ ''و'' پر غالباً کچھ تحریر نہ تھا جبکہ اس پہلے ورق کے صفحہ ''ظ'' پر مقالہ شروع ہو رہا تھا۔ چنانچہ ملانے والے نے اس تیسرے مقالے کا پہلا ورق نکال دیا اور اس کی ایک صفحے کی تحریر کو مقالہ ثانیہ یعنی ۹۵ظ پر لکھ کر اسے running صورت میں بنا دیا۔ یوں یہ ایک مسلسل نسخہ بن گیا، مگر خط کا تفاوت دور نہ کیا جا سکا، جو اب اچھی طرح نظر آ رہا ہے، جبکہ سطروں کی تعداد دونوں حصوں میں برابر ہی ہے۔

پشاور والا یہ نسخہ اگرچہ دو ہاتھوں کی تحریر ہے مگر سن کتابت کے اعتبار سے مذکورہ بالا سبھی نسخوں سے قدیم تر نظر آتا ہے۔ کتابت کی رُو سے صاف اور پوری توجہ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، اور مقابلہ شدہ ہے۔ جبکہ مطبوعہ (مصورہ) نسخے کے کاتبین سے نقل کرتے وقت بے توجہی میں کئی جگہوں پر عبارات چھوٹ گئی ہیں، جو کسالت اور عدم توجہی کی دلیل ہے، یا غیر معیاری کاتب ہونے کی بناء پر ایسا ہوا ہے۔ اس مصورہ نسخے میں کاتب سے مقالہ اولی کی شکل نمبر ۲۴ میں موجود تین مثلثوں سے ایک رہ گئی ہے۔ اسی طرح اس مقالہ کی شکل نمبر ۲۶ کی پہلی صورت بھی غیر موجود ہے۔ علاوہ بریں اس مقالہ کی شکل نمبر ۴۷ بنائی ہی نہیں گئی۔

میں نے دونوں نسخوں کے مشتملات کے ضمن میں کوئی مقابلہ نہیں کیا مگر اچانک مقالۃ رابعۃ من کتاب اقلیدس کی شکل نمبر ۷ دیکھ رہا تھا تو مصورہ نسخے میں کچھ سقطات نظر آئے، مقابلہ کیا تو ظاہر ہوا کہ مصورہ نسخے میں پوری ایک عبارت ہی رہ گئی ہے، جو اس کے صفحہ نمبر ۲۲۸ کی نیچے سے اُوپر سطر

چھوٹ گئی عبارت یہ ہے:

**لأنه نصف خط و تکون العمود الذی یخرج من المرکز إلی خط ط ک مثل هذا الباقي، فالعمود الذی یخرج من المرکز (ق ٦٧و)**

یہ تو پشاور والے نسخے کی مدد سے معلوم ہوا اور اتفاقاً اس پر نظر پڑی۔ اگر ماہر فن یا صرف دو نسخوں کا قراءۃً ہی مقابلہ کیا جائے تو پتہ نہیں مصورہ نسخے میں کتنے ہی ایسے سقطات ہوں۔ اس کے مقابلے میں پشاور والا یہ نسخہ بظاہر زیادہ مکمل نظر آتا ہے اور پوری توجہ سے نقل شدہ ہے، اور مقابلہ کردہ ہے۔

کسی نسخے کی قدامت، اس کے کاتب کا صاحبِ علم ہونا، اس کی اہمیت میں اضافہ کرتا ہے۔ مگر اس کے علاوہ اور بھی کئی ایسے امور ہیں جو اس نسخے کی اہمیت بتاتے ہیں، جیسے مثلاً کسی صاحب علم کے زیر مطالعہ رہنا، یا جس فن کی کتاب ہے اس فن کے ماہر کے زیر نظر رہنا، یا کسی بڑے صاحب ذوق شخص کے کتب خانے کی زینت بننا۔ یہ چند خواص ایسے ہیں جو اگرچہ اس نسخے کی خارجی ہیئت سے متعلق ہیں مگر وہ بھی اس نسخے کی اہمیت بڑھا دیتے ہیں۔ اس نکتۂ نظر سے دیکھا جائے تو مذکورہ بالا مالکان میں عبدالعزیز بن علی بن محمد المنجم ایک منفرد حیثیت کے مالک ہونے کی وجہ سے اس نسخے کی صحت، عمدگی اور فن کے اعتبار سے اس کی قدر و قیمت میں کافی اضافہ کر رہے ہیں۔ پتہ نہیں باقی علماء کس کس حیثیت یا فن کے مالک تھے تاہم اتنے بڑے علماء کی نظر سے گزرنے والا نسخہ اپنی منفرد قیمت رکھتا ہے۔ جبکہ ان علماء نے اس پر نکات، حواشی اور تعلیقات بھی چھوڑے ہوں۔

## ۳

جیسا کہ اُوپر ذکر کیا گیا ہے کسی نسخے کا کسی صاحب ذوق یا بڑے کتب خانے میں رہنا بھی اس نسخے کی قیمت میں اضافہ کرتا ہے۔ اسی لیے اس پشاور والے نسخے کا خواجہ محمد پارسا[۱۴] کے مشہور و معروف اور نسلوں پر محیط قائم رہنے والے کتب خانے میں موجود ہونا بھی اس کی اہمیت کو چار چاند لگا رہا ہے۔

کتب خانہ خواجہ محمد پارسا ایک خاص حیثیت رکھتا تھا بلکہ بہت ہی قدیم عرصہ سے وسط ایشیا کے علماء کا مرجع تھا۔ بخارا کا یہ کتب خانہ اپنا مکمل تعارف چاہتا ہے، جو قدیم ترین حیثیت کا مالک ہے۔

مختصراً عرض ہے کہ ماوراء النہر میں علماء حنفیہ کے اس بہت ہی قابل قدر کتب خانے کے بانی قاضی برہان الدین عبدالعزیز بن عمر مازۃ (متوفی ابتدائی چھٹی صدی) بتائے جاتے ہیں جنھوں نے اس کی بنیاد بخارا میں سن ۴۹۶ھ سے تھوڑا قبل رکھی۔ پھر سن ۴۹۶ھ میں سلطان سنجر سلجوقی (۴۹۱ھ-۵۵۲ھ) نے اسے اپنی عملداری میں لے لیا۔ اس نے اسی سال ایک مدرسہ، اس کے مدرسین، علماء و فضلاء اور اس کتب خانے کے اخراجات کے لیے بخارا میں اوقاف قائم کیے۔ بعد ازاں یہ کتب خانہ ابن مازہ کی اولاد میں وراثۃً منتقل ہوتا رہا۔ پہلے حسام الدین عمر بن عبدالعزیز (متوفی ۵۳۶ھ) اور اس کے بعد تاج الدین احمد بن عبدلعزیز (چھٹی صدی ہجری) کی زیر نگرانی رہا۔ جب خوارزم شاہ (وسط ساتویں صدی ہجری) نے بخارا فتح کیا، تو پتہ نہیں کیوں اس خاندان کو بخارا چھوڑنا پڑا، مگر کتب خانہ یہیں رہ گیا اور اس خاندان کے لوگ خوارزم جا بسے۔ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ۶۳۲ھ میں اس خاندان کا ایک فرد بخارا کے گرد و نواح میں درس و تدریس کا کام سرانجام دیتا رہا ہے۔

اس علمی خاندان کے ناپید ہو جانے کے بعد یہ کتب خانہ حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر الکبیر البخاری (متوفی ۶۹۳ھ) کے زیر نگرانی رہا۔ یہ صاحب خواجہ محمد پارسا کے اجداد میں سے تھے۔ خواجہ محمد پارسا (متوفی ۸۲۲ھ) بن خواجہ محمود بن حافظ الدین الکبیر[۱۶] سے قبل یہ کتب خانہ کوئی خاص معروف نہ تھا جبکہ اچھی شہرت اس کو خواجہ محمد پارسا کے عہد میں ملی۔ خواجہ صاحب ایک بلند پایہ عالم، مصنف اور کتابوں سے بے پناہ محبت کرنے والے تھے۔ ان کے حین حیات اس کتب خانے نے بے حد ترقی کی۔ اس میں موجود ذخیرۂ کتب کی بناء پر اس کی شہرت وسط ایشیا سے نکل کر چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ سن ۸۱۰ھ یا ۸۱۱ھ میں سلطان خلیل (حکومت ۸۰۸ھ تا ۸۱۲ھ) یا اس کے نمائندہ نے اس کتب خانے کے اخراجات کے لیے باقاعدہ ایک وقف نامہ صادر کیا۔ اس امر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ سن ۸۴۵ھ-۸۴۶ھ کے مابین خواجہ پارسا کے ایک فرزند عزیز اُبو نصر (متوفی ۸۶۴ھ-۸۶۶ھ) کے کہنے پر اس کتب خانے میں موجود جملہ کتب کی فہرست بھی تیار کی گئی تھی۔

تقریباً ساتویں صدی ہجری سے لے کر نویں صدی ہجری تک اس کتب خانے میں معتدبہ کتابوں کا اضافہ ہوتا رہا ہے۔ خواجہ پارسا کے بعد یہ کتب خانہ ان کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا بالآخر اُمیر حیدر حاکم بخارا (حکمرانی ۱۲۱۵ھ-۱۲۴۱ھ) نے ایک سرکاری وقف نامے کے ذریعے، جو چند دیہات کی آمدنی پر مبنی تھا، اس کتب خانے کو عوام الناس کے لیے واگزار کر دیا گیا۔ چونکہ وسط ایشیا فقہاء حنفیہ کا

کتب خانے کی بدولت اس علاقہ میں فقہی علوم کے ساتھ ساتھ دیگر علوم کا بھی گہرا اثر رہا ہے۔ اس میں تقریباً ۸۰ فیصد کتب کا تعلق ابتدائی ۹ صدیوں میں لکھی گئی کتابوں سے تھا۔ ان میں قدیم ترین نسخہ ۳۸۵ھ کی تحریر بتایا گیا ہے[۱۷]۔

اس کتب خانے کی کتابیں بھی دیگر چند کتب خانوں کی طرح چوری ہوئی یا لوٹی گئی ہیں۔ ان میں سے کچھ کا وجود دنیا کے کئی کتب خانوں میں موجود ہے۔ ان میں سے زیادہ تر ازبکستان کی سائنس اکیڈمی، تاشقند میں موجود ہیں، جبکہ دیگر کئی نسخے دنیا کے چند کتب خانوں کی زینت بن چکے ہیں۔ ایسی کوئی ۱۲۷ کتابوں کی نشاندہی علماء نسخہ شناس نے کی ہے[۱۸]۔ ان میں ہم نے بھی ایک کتاب (ابن الھیثم کی کتاب کے اس نسخہ) کا اضافہ کر دیا ہے، یوں اب خواجہ محمد پارسا کے کتب خانے کی ۱۲۸ کتابوں کا کوئی نو کتب خانوں میں پایا جانا معلوم ہو چکا ہے۔

یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ ۱۲۸ کتابیں خواجہ محمد پارسا کے کتب خانے سے نکلی ہوئی ہیں؟ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ خواجہ پارسا کے کتب خانے میں ایک اچھا دستور تھا کہ جونہی کوئی کتاب یا نسخہ کتب خانے میں داخل ہوتا، اس پر بادام کی شکل میں ایک چار کونہ مہر (دیکھئے تصویر) ثبت کر دی جاتی جس میں عبارت مختلف ادقات میں مختلف رہی ہے۔ پہلی جو مہریں تھیں ان میں کندہ تھا: ''وقف از کتاب ھائی خواجہ محمد پارسا ابن محمد البخاری''، ایسی مہریں ۱۲۲۴ھ، ۱۲۳۹ھ، ۱۲۵۰ھ میں تھیں[۱۹]۔ ۱۲۵۵ھ میں ثبت ہونے والی مہر کی عبارت مختصر کر دی گئی اور صرف ''وقف از کتب خواجہ محمد پارسا ۱۲۵۵ھ'' رہنے دیا گیا۔ حل شکوک اقلیدس والے پشاور کے ڈیپارٹمنٹ آف آرکائیو اینڈ لائبریریز میں موجود نسخے پر جو مہر ثبت ہے وہ بھی بادام کی شکل میں چار کونہ ہی ہے، جس میں ''وقف از کتب خواجہ محمد پارسا ۱۲۵۵'' کندہ ہے۔ اس مہر کے حاشیہ پر دو مقابل لکیریں لگا کر اندر نقطے نقطے بنا دیئے گئے ہیں۔ اس نسخے میں یہ مہر ۲۱ مرتبہ ثبت کی گئی ہے، جن میں سے دو جگہوں پر انہیں نہ جانے کیوں مٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مہر اور اوپر مذکور ماریہ ایوا سبتلنی کے مقالہ میں چھپنے والی مہر بالکل ایک جیسی ہیں۔

یہ بہت اہم و نادر نسخہ پتہ نہیں کیسے پاکستان میں پہنچا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی عیسوی کے شروع میں جب نئے سوشلسٹ نظام کے تحت روسی ریاستیں قائم ہوئیں تو ان میں اوقاف وغیرہ کو ختم کر دیا گیا، تب مساجد اور کتب خانے زبوں حالی کا شکار ہوئے، ان سے کتابیں لوٹ لی

من كتب ... الموصلي ... الله العلم

# كتاب الشكوك على اوقليدس وحلها

رحمه الله تعالى

... سعيد ... 

هذا الكتاب حل شكوك اقليدس يشتمل على حل شكوك ثلث مقالات ويحل شكوك ثلث عشر مقالة من كتاب اقليدس

[illegible]

قد وصل الى ... محمد حسين ... ١٢٢٨

استعار ... الى المشتاق الى العفو ... العبد ... محمد بن محمد ... الى الكريم ... وعد الله لا مرضاه ... دنيا ... امين ... العالمين

... العبد الراجي ... محمد بن محمد ...

الطول وان المنفصل الرابع يكون د هو الاصغر كما بين في الشكل التاسع من المقالة
العاشرة فاذا كان قطر الدائرة منطقا بالقوة فضلع المخمس الذي يقع في الدائرة هو الخط
الاصغر وضلع مجسم ذي العشرين قاعدة هو الاصغر وذلك ما اردنا ان نبين ❊ بعد الحل
الشكل الذي في هذا الشكل وسقط اعراض المسائل ويتبين من هذا الشكل ان قطر الكرة
اعظم من مثله امثال ضلع المعشر الذي يقع في الدائرة واقل من اربعة امثاله لان قطر الكرة
هو ضلع المسدس مع ضعف ضلع المعشر اللذين يقعان في الدائرة وضلع المسدس اعظم
من ضلع المعشر واقل من ضعفه فقطر الكرة اعظم من مثله امثال ضلع المعشر واقل من
اربعة امثاله ❊ وليس في الشكل السادس عشر شيء من الشكوك فاما الشكل السابع عشر
وهو قول اوقليدس ❊ ان نريد ان نبين ان اضلاع المجسمات الخمس وسائر الخطوط بها ان
واحد فليس فيه ايضا شك ولكنه يمكن ان نبين برهانا غير برهان اوقليدس فنفرض
قطر الكرة اب ومركزها ه ونقسم اب على ج ونجعل اج مثلي جب ونخرج جد عمودا
ونصل اد دب فيكون اد ضلع المخروط ودب ضلع المكعب ونخرج من ه ز
عمود ه ز ونصل زب فيكون زب ذا القاعدة من مثلث ونجعل ب ح مثل ضلع المعشر الذي يقع
في الدائرة التي يعمل عليها ذو العشرين قاعدة وقد تبين انه اقل من مثله قطر الكرة لان ضعف
قطر الكرة وضعفا ولمربع ذي العشرين قاعدة فهو اصغر من ح ونخرج عمود ح ط ونصل
ط ب فيكون ط ب ضلع ذي العشرين قاعدة ونقسم د ب على نسبة ذات وسط
وطرفين على نقطة ك فيكون ك ب ضلع ذي الاثني عشر
قاعدة ولان د ب مقسوم على نسبة ذات وسط
وطرفين يكون مربع ب د ومربع د ك مثلي مربع
ك ب ومربع د ب اعظم من ضعف مربع ك ب ومربع
اب مثله امثال مربع ب د فمربع اب اعظم من ستة امثال

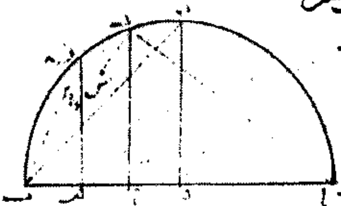

مربع ك ب ومربع اب اقل من اربعة امثال مربع ز ب فمربع ك ب اصغر من مربع ز ب فخط
ك ب يقع دون ز ب فاضلاع المجسمات الخمسة تقع في نصف دائرة ا د ب فالكرة تحيط
بجميع المجسمات الخمسة وذلك ما اردنا ان نبين ❊ وهذا اخر المقالة الثالثة عشرة وهي
اخر الكتاب وهذه المقالة فيها اكثر الشكوك لانها تشتمل على اكثر الاشكال الاول
لعمل اكثر الشكوك ولعلنا نحصر انما ذكرنا في كل واحد منها وجها واحدا لا نستثني
شيئا من الشكوك ❊ وبها تم ما ابتدانا به والحمد لله تعالى كثيرا

تمت ... ... في شكوك ...
اوقليدس ... ... و ...
... الله ...

# حواشی و تعلیقات

۱۔ ابن الہیثم کی تالیفی زندگی پر تفصیل کے لیے دیکھیے ابن ابی اُصیبعۃ: طبقات الأطباء۔ بیروت، ۱۹۵۷ء۔ جلد۳ ص ۱۴۹، ومابعدہ۔ ان صفحات میں ابن الہیثم کی خود نوشت سوانح حیات من وعن موجود ہے۔ علاوہ بریں احمد خان: ''ابن الہیثم مصنف کی حیثیت سے'' فکرونظر (ماہنامہ اسلام آباد) مارچ ۱۹۷۱ء، ص ۶۴۹-۶۷۶۔ اس مقالہ میں ابن الہیثم کی جملہ تألیفات کے بارے میں بتایا گیا ہے اور ان کے نسخے دنیا بھر میں جہاں جہاں موجود ہیں ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔

۲۔ دیکھیے: طبقات الأطباء، مذکورہ بالا: ۱۵۴/۳۔

۳۔ J. Sarton: Introduction to the History of Science. Baltimore, 1950. Vol 2. p 849.

۴۔ احمد خان: ابن الہیثم مصنف کی حیثیت سے۔ ص ۶۵۲۔

۵۔ طبقات الأطباء: ۱۵۹/۳۔

۶۔ ایضاً۔

۷۔ کتاب حل شکوک اقلیدس، مطبوعہ رمصورہ نسخے کا مقدمہ۔

۸۔ فواد سزگین: تاریخ التراث العربی (اصل جرمن زبان) جلد۵، ص ۳۷۰۔

۹۔ بروکلمان: تاریخ الأدب العربی (اصل جرمن زبان)، جلد۱ ص ۴۶۹۔

۱۰۔ عبدالرحیم: لباب المعارف العلمیۃ فی مکتبۃ دارالعلوم الإسلامیۃ۔ آگرہ: مطبعۃ آگرہ، ۱۹۱۸ء۔ ص۳۲۳۔

۱۱۔ دراصل قابل ذکر یہ نسخہ تھا جو قدیم ہونے کے علاوہ مکمل ترین صورت میں تھا۔ مگر اس کا ذکر بروکلمان نہیں کر پائے۔ وہ صرف اسلامیہ کالج لائبریری میں موجود مخطوطات میں مذکور متاخر اور ناقص نسخے کا ذکر اس لیے کر پائے کہ اسلامیہ کالج کے کتب خانے کی فہرست مطبوعہ صورت میں بروکلمان کو دستیاب تھی اور ڈیپارٹمنٹ آف آرکائیو کا رجسٹر دیگر کئی ایسے مجموعات کی طرح بروکلمان نہیں دیکھ سکے۔ آرکائیو کے مخطوطات کی فہرست اب بھی مطبوعہ صورت میں نہیں ہے۔

۱۲۔ یہ نام پوری طرح پڑھا نہیں جا سکا۔ اس میدان میں ماہرین سے رہنمائی کی درخواست ہے۔

۱۳۔ اس فاضل کی درج ذیل تالیفات کا ذکر ملتا ہے:

۱. **الاختیارات فی علم النجوم**
۲. **المصباح المرشد إلى الفلاح**
۳. **کتاب فی الباہ**
۴. **منافع الجماع و مضارہ**
۵. **رسالة فی منافع الریاضة و جهة استعمالها**

اس عالم کی سوانح کے لیے دیکھیے: معجم المؤلفین ۱۸۹/۱۳؛ الأعلام ۱۴۰/۸؛ کشف الظنون ۱۶۲۴؛ ابن أبی اُصیبعۃ:
عیون الأنباء ۳۴۳/۱؛ بروکلمان ذیل ۸۶۲/۱-۸۶۳

Cahiers d'Asie Central, 1998. pp 125-146

2. Asherbec Muminov et Ziyadov: L'horizon intellectual d'un érudit du xv siecle nouvelles de'couvertes sur La bibliotheque de Muhammad Parsa. Cahiers d'Asie Central, 1999. pp. 77-98

3. Maria Eva Subtelny: The Library of Khwaja Muhammad Parsa. Studies on Central Asian History, in honour of Yuri Bregel, Indiana: Indiana University, 2001.

۱۶۔ خواجہ پارسا کے احوال کے لیے دیکھیے: Maria Eva Subtelny کا مذکورہ بالا مقالہ۔

۱۷۔ دیکھیے نامۂ بہارستان۔ کتابخانہ و موزہ و مرکز اسناد مجلس شورای اسلامی، تہران، شمارہ دوم، سال اول، ص ۱۶۴ (زمستان ۱۴۲۱ھ)۔

۱۸۔ دیکھیے مذکورہ بالا حاشیہ نمبر۱۵ میں مذکور پہلے دونوں مقالات کے ضمیمے۔

۱۹۔ تفصیل کے لیے دیکھے: Maria Eva Subtelny کا مذکورہ بالا مقالہ۔

---------------